اسلامی سیاست میں شورائی نظام کی اہمیت: فکرِ سید سلیمان اشرف کے تناظر میں

Importance of *Shurah* in Islamic Political System: In Perspective of Syed Suleman Ashraf's Thoughts

* کامران مسعود: پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر، شعبہ علومِ اسلامیہ، محی الدین اسلامی یونیورسٹی، نیریاں شریف
** ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی: چیئرمین شعبہ علومِ اسلامیہ، محی الدین اسلامی یونیورسٹی، نیریاں شریف

ABSTRACT

Numerous scholars have written on Islamic politics. One of them was Prof. Syed Mohammad Suleman Ashraf Bihari who bring up five principles of Islamic politics. The most important and very first principle is the Al-Moshawrah(المشاورة). The importance of Al-Moshawrah(المشاورةis recognized in Islamic politics. Al-Moshawrah(المشاورة) in politics is a symbol of the beauty of the nation. Islamic society is a state of peace because of Al-Moshawrah(المشاورة). We can establish peace and economic revolution in Islamic society to adopt Al-Moshawrah(المشاورة) in Islamic perspective. According to Syed Suleman Ashraf Al-Moshawrah(المشاورة) should only be taken by the responsible personality, therefore he divided complaints into two kinds, Al-Wajib(الواجب) and Gher-Al-wajib(غير الواجب). In this time Islamic countries are far from importance of Al-Moshawrah(المشاورة) in Islamic politics. I shall find in this research paper the difficulties and hurdles in the way of Islamic Shora,e (الشورائی) System, and shall describe the methods of Syed Suleman Ashraf through which could be removed those hurdles in the face of Islamic Politics.

Keywords:*Shurah, Al-Moshawrah, politics, Political System, Suleman Ashraf.*

سید صاحب سیاستِ اسلامی کا اصلِ اول مشاورت کو قرار دیتے ہیں۔[1] اسلامی نظامِ سیاست میں مشاورت اور رائے کی اہمیت مسلم ہے۔ ہر ایک رہنما، سردار، استاذ، شیخ، سربراہِ خاندان اور سربراہِ مملکت اصحاب رائے سے رجوع کرتے رہنا چاہیے۔ رائے اور مشاورت انسان کو بے جا اغلاط اور ٹھوکروں سے بچاتی ہے۔ جو رائے اور مشورہ کے اصول کو اپنالیتا ہے اسے شرمندگی اور ندامت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ ہمیشہ سعادت مندی، کامیابی اور کامرانی اس کا مقدر بنتی ہے۔ جہاں کہیں انسان ڈگمگانے لگتا ہے، انجانے رستوں پر راہ گم ہونے کا اندیشہ دامن گیر ہونے لگتا ہے، امتحان کی سختی آڑے آتی ہے۔ مصائب وآلام اور ابتلاء وآزمائش کی ان ساعتوں میں اصحاب الرائے کو اپنا ہم راز و ہمرکاب بنانے والا سرخرو ہو جاتا ہے اور اور صلاح مشورہ سے جان چھڑانے والا پریشان و رسوا ہوتا ہے۔ مشورہ سرداروں، اساتذہ، مشائخ، سربراہانِ خاندان اور سربراہانِ مملکت کیلئے عزو شرف کا باعث بنتا ہے۔ انتظام و انصرام سیاسی، سماجی، معاشی اور تعلیمی میں خوبصورتی اور رونق پیدا کرتا ہے۔

فصلِ اول: رعایا کی فریاد پر اصحاب مشورہ کی آراء:

رائے و مشورہ سے کام ضرور لینا چاہیے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مشورہ کس سے لینا چاہیے؟ کیا سربراہِ مملکت پر لازم ہے کہ اس ملک کی آبادی کے ہر فرد کو مشورہ میں شامل کرے۔ ہر امیر ہو یا غریب، تاجر ہو یا مزدور، صنعت کار ہو یا دیہاڑی دار، عالم ہو یا جاہل، مشورہ کی اہلیت و صلاحیت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو سب سے مشورہ لینا لازم و ضروری ہے؟ سید صاحب نے اس امر کی واشگاف الفاظ میں توضیح فرمائی ہے کہ مشاورت ایک مملکت میں لازمی و ضروری امر ہے اور یہ سلسلہ مشاورت اسی مملکت کے باسیوں کے ساتھ ہوگا۔ اس ملک کے باشندے اپنے ملک وملت کی ترقی، فلاح و بہبود، دنیا وآخرت کی سلامتی و کامیابی کیلئے اپنے مفید مشوروں سے نواز سکتے ہیں۔ اس میں امیر و غریب کی کوئی قید نہیں۔ ہر ذی فہم، عقلِ سلیم رکھنے والا، قرآن و سنت کے علم سے آراستہ و پیراستہ صاحب مشورہ بن سکتا ہے اور اسکے مشورہ کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ اسی طرح اسلامی ملک کے سربراہ کو چاہیے کہ گلی، محلّہ، شہر، گاؤں، دیہات، دور و نزدیک کے ہر فرد سے جس قدر ممکن ہوسکے، شہری ضروریات سے متعلقہ امور سے رائے لیتا رہے۔ اس لے لوگوں کی ضروریات، ان کے مسائل، پریشانیاں، ترجیحات کا علم ہوتا رہے گا۔ ورنہ ہر معاملہ چند اشخاص اپنے طور پر

---

[1] اسلام اور خلافت مشمولہ البلاغ (مطبع احمدی علی گڑھ، ۱۹۱۱ء)، ص: ۱۶

Islam aur Khilafat mashmola Albalagh (Matba Ahmedi Ali Gharh,1911), P;16

بند کمرے میں بیٹھ کر طے کرلیں گے تو ان کو کیسے علم ہو گا کہ اس شہر کے کتنے لوگ بنیادی لازمی ضروریاتِ زندگی کی سہولیات سے محرومی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ کیسے پتہ چلے گا کہ لوگ جو اسی ملک کے باشندے ہونے کے ناطے طے شدہ حقوق کے مستحق ہیں۔ ان سے رائے نہ لی گئ تو عین ممکن ہے بے شمار لوگ ظلم وجبر کی چکی میں پس رہے ہوں۔ بے روزگاری کے ہاتھوں فاقوں کی زندگی بسر کر رہے ہوں۔ کتنے ہی سر چھپانے کیلئے گھر جیسے بنیادی ضروریاتِ زندگی سے محروم ہوں۔ کتنے ہی بیمار و لاچار خطرناک ومہلک بیماریوں کا شکار ہوں۔ علاج معالجہ کی سہولیات نہ ہونے کی وجہ سے موت کی آغوش میں جاچکے ہوں۔ تعلیم جو ہر قوم کے ہر ایک فرد کی بنیادی ضرورت اور ایک لازمہ ہے اور بالخصوص اسلام نے تعلیم کا حصول ہر بندہِ مومن پر فرض قرار دیا ہے۔ قرآنِ کریم نے متعدد مقامات پر علم کے حصول، علم کی اہمیت اور اہلِ علم کی عظمت وفضیلت کو اجاگر کیا ہے۔ پہلی وحی کا نزول میں لفظِ "اقرا" سے قرآن کریم نے علم کے حصول کی اہمیت کو بالکل واضح وروشن کردیا ہے۔ جاہل کو اندھے اور اہلِ علم کو انکھیارے سے تشبیہ دی ہے۔ اہل علم کو اللہ سے ڈرنے والا قرار دیا گیا ہے۔ تقوی کا تاج رفیع علم والے کے سر سجایا گیا ہے۔ جاہل و عالم کو جہنمی اور جنتی سے تشبیہ دی گئ ہے۔ خود قرآن حکیم کا نزول اور اور اس میں غور و فکر کرنے کی دعوت بھی علم کی فضیلت واہمیت کو بیان کرنے کیلئے کافی ہے۔ لوگوں کی آراء معلوم نہ کرنے سے ہو سکتا ہے قرآنِ کریم کے ان احکام پر عمل ممکن نہ ہو سکے۔ سربراہِ مملکت کی ذمہ داری ہے کہ رعایا کی دینی تعلیم وتربیت کا معقول بندوبست کرے اور اچھی تعلیم وتربیت کا اہتمام کرے۔

رعایا کی فریاد

اسلامی سربراہِ مملکت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلامی ملک کی رعایا کو شکایت کا موقع فراہم کرے اور جب وہ کسی ظلم و نا انصافی کے معاملہ میں فریاد لے کر آئیں تو ان سے ظلم و جبر اور زیادتی کے ازالہ کیلئے جلدی کرے۔ اس معاملہ میں کسی کے عہدے، منصب، جاہ و حشمت، قومی و لسانی رعب و دبدبہ کی پرواہ نہ کرے۔ عدل کے تمام تقاضوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اس ملک کی رعایا کی خبر گیری رکھتے ہوئے ان کے جائز مطالبات کو تسلیم کرے۔ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مختلف علاقوں کو بھیجا کرتے تو ان کی تربیت اس انداز سے فرماتے کہ لوگوں کے حسنِ سلوک اور نرمی کرنے اور ان کی فریاد کو سننے اور اس کا ازالہ کا حکم فرماتے ۔ حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"رسول اکرم ﷺ صحابہ میں سے کسی کو امور سلطنت کے لیے کہیں بھیجا کرتے تو ان کو حکم فرمایا کرتے تھے کہ ان کو خوشخبری سنانا، تنفر نہ کرنا، ان کے لیے آسانی پیدا کرنا، مشکلات پیدا نہ کرنا۔"[2]

سید صاحب لکھتے ہیں:

"رعایا کی فریاد سنی جائے، واجب شکایتوں کا ازلہ ہو اور غیر واجب چیخ و پکار پر ان کی فہمائش"[3]

سید صاحب کی اس عبارت سے بالکل واضح ہے کہ سید صاحب نے شکایات کی دو اقسام شمار فرمائی ہیں۔ ایک واجب شکایتیں اور دوسری غیر واجب شکایتیں اور پھر ہر ایک کا حکم بھی بیان فرمادیا ہے۔ جس کی سیاسی اہمیت و افادیت کو بیان کرنا بہت بڑے فائدے سے خالی نہیں ہوگا۔ لہٰذا یہاں شکایات کی دونوں قسموں کو بیان کیا جاتا ہے۔

واجب شکایات

ایسی شکایات جو حق کے اصول کیلئے ہوں۔ ان میں جھوٹ، فریب، دغا بازی اور فتنہ و فساد نہ ہو۔ اس حق کی وجہ سے کسی دوسرے مسلمان کی حق تلفی لازم نہ آتی ہو۔ اس شکایت کا ازلہ کرتے ہوئے نصِ قرآنی کا خلاف لازم نہ آتا ہو۔ قرآنی مسلمان سے متصادم نہ ہو۔ احادیثِ رسول علیہ صلوت اللہ و سلامہ کی واضح کی خلاف ورزی نہ ہوتی ہو۔ تو ایسی تمام شکایات جو حاکمِ اسلام سے اپنے جائز حق کے مطالبہ کیلئے داخل کرائی گئی ہوں۔ حاکم اسلام پر لازم ہے ان شکایات کی چھان بین میں تاخیر سے کام نہ لے بلکہ حق کی بجاآوری میں تمام وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے ان شکایات کا جتنی جلدی ممکن ہوسکے ازالہ کرنے کے احکامات صادر کرے۔ جو اسلامی مملکت کا سربراہ ہونے کے باوجود واجب شکایات کو نہ سنے، یا سن کر سستی اور کاہلی کا شکار رہے، پس و پیش سے کام لے، صاحب حق کو لیت و لعل کے لارے لگاتا رہے۔ ظلم کے دفیعہ پر قادر ہونے کے باوجود ظالم کا ہاتھ نہ پکڑ سکے۔ مظلوم کی داد رسی نہ کرسکے۔ انفرادی و اجتماعی عدل کو قائم نہ رکھ سکے۔ رعایا کی چیخ و پکار پر چین کی نیند سوتا رہے۔ ذی اقتدار، اصحاب طاقت، اصحاب مناصب کی خوش آمدیوں سے متاثر ہو کر نیکی کی دعوت کا اپنے منصب کے مطابق طاقت سے قوتِ بازو سے نہ روکے تو کسی طور پر بھی ایک اسلامی مملکت کا سربراہ و حاکم بننے کے لائق نہیں ہے۔ شکایات کے ازالہ کیلئے اسلام نے مکمل عدالتی نظام عطافرما ہے۔ نبی کریم

---

[2] احمد بن حنبل، الشیبانی: المسند (مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۲۰۰۰ء)، رقم: ۱۹۵۷۲

Ahmed bin Hambal Al Shebani: Almusnad (Moassisa Risala Beirut ;2000), Raqm;19572

[3] اسلام اور خلافت مشمولہ البلاغ، ص: ۱۶

Islam aur Khilafat mashmola Albalagh:P;16

علیہ صلوت اللہ وسلامہ مدینہ منورہ کی حد تک تو شکایات خود ہی سماعت فرماتے اور ان کی عدل وانصاف کے سارے تقاضوں کے مطابق فیصلے فرمایا کرتے۔ البتہ وقت کے ساتھ ساتھ فتوحاتِ اسلامی کا سلسلہ تیزی سے بڑھنے لگا جس کے بنا پر مدینہ منورہ سے باہر دور دراز علاقوں میں مستقل طور پر شکایات کے ازالہ کیلئے قاضیوں کی ضرورت کو محسوس کیا گیا اور اللہ کے نبی علیہ صلوت اللہ وسلامہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان دور افتادہ علاقوں میں قاضی اور منصف بنا کر بھیجا تھا[4]۔ البتہ دورِ رسالت میں قاضی کی اصطلاح باقاعدہ طور پر استعمال نہ کی جاتی تھی بلکہ "صدر اول میں قاضی کو مفتی کہا جاتا تھا"[5] واجب شکایتوں کے ازالہ کیلئے اسلامی ملک کے سربراہ کو چاہیے کہ انتظامی معاملات کے بوجھ کو کم کرنے کیلئے عارضی اور ہنگامی طور پر اہل کو قاضی یا قاضی یا نائبِ قاضی بنا کر شکایات سننے کا عمل بغیر کسی تعطل کے جاری رکھا جائے۔ جیسا کہ رسول اللہ علیہ صلوت اللہ وسلامہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ایک شکایت پر معاملہ کی سماعت اور فیصلہ کرنے کا حکم فرمایا، حالانکہ آپ رضی اللہ عنہ مستقل طور پر اس خدمت کیلئے مقرر نہیں کیے گئے تھے۔[6] مقررہ شکایات سیل کی طرف رجوع کرنے پر شنوائی نہ ہو یا فیصلہ کرنے میں غلطی واقع ہو جائے تو اس طرح کی تمام شکایات کیلئے مرکز کی جانب رجوع کرنا ہوگا اور مرکز یعنی بادشاہِ اسلام یا اس کا نائب جیسے آج کل ہمارے ہاں چیف جسٹس کا عہدہ ہے، حقیقتِ حال کو واضح کرکے فیصلہ کرے۔ جیسا کہ نبی معظم علیہ صلوت اللہ وسلامہ کی بارگاہ میں مختلف النوع فیصلوں کے خلاف مرافعہ بھی ہوا کرتا تھا۔[7]

غیر واجب شکایات

[4] الشیخ عبد الحہ الکتانی: نظام الحکومۃ النبویۃ المسمی التراتیب الإدرایۃ (دار الکتاب العربی، بیروت)، ۵۶/۱

Al Sheikh Abdul Khei Alkattani: Nizam ul Hukoma Alnabvia Almusamma Altrateeb aldiraya,(Dar alkutob-alarabi, Beirut),P:1/65

[5] شمس الدین ابو بکر محمد بن ابی سہل السرخسی: المبسوط (دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، لبنان، الطبعۃ: الأولی، ۱۴۲۱ھ)، ۱۹۰/۱۶

Shams ud Din Abubakr Muhammad bin Abi Sahl Alsirakhsi; Almabsut(Dar alfikr Littabaha wannashr wattozeh, Beirut, Lebnon, Altaba alula,1421-2000),16/190

[6] السرخسی، المبسوط، ۷۶/۱۶

Almabsut, lilsirakhsi,16/76

[7] احمد بن حنبل، المسند، ۱۸۷/۲

Almusnad Ahmed bin Hambal,2/187

سید صاحب نے واجب شکایات کی دوسری قسم غیر واجب شکایات کو بیان فرمایا ہے۔ غیر واجب شکایات وہ ہیں کہ جنکا پورا کرنا لازم و ضروری نہیں ہے۔ حاکمِ اسلام تمام ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے معلوم کرے گا کہ اٹھنے والی آواز ،صدائے حق ہے؟ یا صدائے ناحق ہے؟۔ ممکن ہے اٹھنے والی آواز کے پردہ میں کسی دشمنِ اسلام یا دشمنِ مملکت کے مذموم مقاصد ہوں۔ یا اپنے ہی بھولے بھالے مسلمان نہ سمجھی میں صدائے ناحق کو حق سمجھ کر سراپائے احتجاج ہوں۔ حاکمِ اسلام اگر ان آوازوں میں فرق نہ کرے اور ہر ایک اٹھنے والی صدا پر بے چین ہو کر صدائے حق سمجھ بیٹھے تو قریب ہے کہ دشمانانِ دین وملت اپنے ناپاک ومذموم مقاصد میں بہت جلد کامیاب ہو کر سلطنتِ اسلامیہ پر ، بغاوت، حسد، بغض و کینہ کی آگ سے نفرتوں کے بیج بو کر گلشنِ اسلام کو اجاڑنے میں جلدی کریں اور اپنے مقاصد کو پاتے ہوئے قابض ہو جائیں۔البتہ کسی کو مجرم بنانے سے قبل اچھے طور پر چھان بین کر لی جائے۔یہی قرآن کریم کا متمعِ نظر ہے۔

غیر واجب شکایات پر فہمائش

سید صاحب نے غیر واجب شکایات کو چیخ و پکار سے تشبیہ دی ہے۔ارقام فرماتے ہیں: "اور غیر واجب شکایات پر ان کی فہمائش (کی جائے)" ([8]) سید صاحب نے کمال مہارت اور علمی وقار سے فہمائش کا لفظ استعمال فرمایا۔اردو لغت میں فہمائش کا معنی ہے "ہدایت، نصیحت، تلقین، سمجھانا، آگاہ کرنا"[9]۔ قرآن وسنت کی روشنی میں سید صاحب کی فکرِ اسلامی کو پرکھنے سے واضح ہوتا ہے۔اسلام برائی کو ختم کرنے کی طاقت کو بروئے کار لانے کی اجازت ضرور دیتا ہے البتہ اس کے آداب اور اخلاقیات کو اسلام نے متعین کر دیا ہے۔اسلام نے فہمائش جرائم کے خاتمے کیلئے ابتداء میں سخت قوانین کے استعمال سے منع فرمایا ہے۔اس کے برعکس عملِ تدریج کو پسند فرمایا ہے۔ جس کی کئی ایک امثلہ قرآن وسنت میں موجود ہیں۔قرآنِ کریم میں حرمتِ خمر کے مسئلہ میں عملِ تدریج کو اختیار فرمایا گیا ہے۔[10]اور احادیث مبارکہ اور کتبِ

---

[8]اسلام اور خلافت مشمولہ البلاغ، ص: ١٦

Islam aur Khilafat mashmola Albalagh:P:16

[9]فیروز الدین، مولوی، فیروز اللغات (فیروز سنز، لاہور)، ص: ٩٤٠

Feroz ud Din, Molvi, Feroz ul Lughat(Feroz Sons, Lahore),P;940

[10]اللہ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے یک بارگی قانون سازی نہیں کی، بلکہ لوگوں کو تدریجا، رفتہ رفتہ، آہستہ آہستہ حق اور احکام شریعت کی قبولیت کے لیے تیار کیا تاکہ وہ اسلامی قوانین پر عمل درآمد میں دقت محسوس نہ کریں اور اسلامی نظام سے وابستہ ہو جائیں۔ برائیوں اور

سیرت میں بھی اسکی امثلہ موجود ہیں۔مال سے زکوۃ نکالنے کیلئے اللہ کے نبی ﷺ نے کمال حکمتِ عملی کو اختیار فرمایا کہ یک دم زکوۃ کا حکم نہ فرمایا نہ ہی اللہ کریم نے فوراً حکم نازل فرمادیا بلکہ اس کیلئے سب سے پہلے ترغیبات سے کام لے کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو انفاق مال پر ابھارہ گیا۔ مال کے بدلے جنت کا وعدہ کیا گیا۔ یہ وجہ ہے کہ صحابہ کرام اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی راہ میں مال خرچ کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں خرچ کر ڈالتے ہیں اور اپنے لیے ایک سوئی تک نہیں رکھتے۔[11] حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا آدھا مال جہاد کیلئے پیش کر دیتے ہیں۔ اور خیبر کی حصہ میں آنے والی زمین کو راہ خدا میں فقراء کے لیے وقف کر دیتے ہیں۔[12] اسی طرح اللہ کے رسولِ معظم ﷺ کی ترغیبات سے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ایثار و قربانی مال کے تذکروں سے کتبِ احادیث و سیرت بھری پڑی ہیں۔ یہی وجہ ہے، اس تربیتِ نبوی ﷺ کی بدولت قانونِ زکوۃ پر عملدرآمد میں کوئی دشواری و پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑا۔

فصلِ دوم: مجلسِ شوریٰ کی اہمیت

اسلام میں مجلسِ شوریٰ کی اہمیت و افادیت مسلمہ ہے۔ تمام مملکت اسلامیہ کی ترقی، دنیا و آخرت میں سرخروئی، اندرونی و بیرونی سازشی عناصر کی سرگرمیوں سے ملتِ اسلامیہ کو محفوظ و مامون رکھنے کیلئے، پیچیدہ و اہم امور کی انجام دہی کیلئے اسلام نے شوارئی نظام دیا ہے۔ سید صاحب اسلامی سیاست میں شوریٰ کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

برے اخلاق کے سد باب کے لیے اسلام نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے اور حرمت خمر میں بھی اسی طریق کار کو ملحوظ رکھا گیا۔ پہلے شرب کو حرام قرار دیا، بعد میں شراب نوشی کی سزا مقرر کی۔ اسلامی شریعت میں نفاذ قوانین کی بہترین مثال ہمیں عرب کے جاہلی معاشرے میں شراب کی عادت چھڑانے میں نظر آتی ہے شراب کو تدریجاً حرام کیا گیا، اس کی حرمت کی علت بتائی گئی، اس کے احکام، ان کی علل اور حکمتیں ذہن نشین کرائی گئیں اور پھر اس کی سزا مقرر کی گئی۔" (یوسف حامد العالم: المقاصد العامۃ للشریعۃ الاسلامیۃ (اردو مترجم: طفیل ہاشمی، ڈاکٹر (ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد)، ص: ۳۷۶)

Yousuf Hamid al Aalam: Almaqasid al Ama Lilshareha al Islamia , Urdu Mutarjam: Tufail Hahmi, Doctor, Idara Tehqiqat e Islami, Islamabad,P;376)

[11] ابن عساکر، امام علی بن حسن، تاریخ مدینہ دمشق (دار الفکر، بیروت)، ۳/۷۱

Ibn e Asakir, Imam Ali bin Hassan; Tareekh Madina Damashq(Dar ul Fikr, Beiru),3/71

[12] محمد بن اسماعیل، البخاری، صحیح بخاری، کتاب الوصایا، الوقف کیف یکتب (دار الشعب، القاہرۃ، الطبعۃ: الأولی، ۱۴۰۷)، ۲/۲۴۴

Muhammad bin Ismael, Albukhari: Sahi Bukhari, Kitab ul wasaya, Alwaqf keifa uktabu,(Dar ul shoab-Alqahera, altaba alula, 1407-1987),2/244

"اسکی اہمیت قابلِ غور ہے۔ عہدِ نبوت میں وحی کا سلسلہ جاری ہے، پیغمبر ﷺ کو پھر مشورے کی کیا حاجت! تمام باتیں بذریعہ وحی کے بتلادی جاتیں۔ مگر ایسا اگر ہوتا تو لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ ([13]) کی جامعیت، مشورے کا خود فعلِ رسول ﷺ سے مسنون ہونا کیونکر سمجھا جاتا۔ اسکی اہمیت کسطرح معلوم ہوتی کہ باوجود ہر طرح مشورے سے بے نیاز ہونے کے پھر بھی مشورہ لے کر اپنے غلاموں کو یہ سبق پڑھا گئے کہ کسی بلند مرتبے پر پہنچ کر مخلوقِ خدا کو چھوڑ نہ دینا بلکہ جو کام کرنا ہو ان سے صلاح و مشورہ لے کر کرتے رہنا۔ اللہم صل علیہ ذا النبی الکریم۔"[14]

سید صاحب کی عبارتِ مذکورہ سے شوریٰ کی اہمیت کے متعلق چند باتیں قابلِ توجہ ہیں:

1۔ مشورہ سنتِ رسول ﷺ ہے

2۔ نزولِ وحی کے باوجود حضور رحمتِ عالم ﷺ کا صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ طلب کرنا، نبی مکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ کی جامعیت و اکملیت کو بیان کرنا ہے۔

3۔ ایامِ نزولِ وحی میں آپ ﷺ کا امور میں صلاح مشورہ، خودِ منشاء و تقاضائے وحی ہے جس کا اظہار و اعلان "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" [15]میں ہوتا ہے۔

4۔ فعلِ رسول ﷺ خلافِ وحی نہیں ہے۔[16]

5۔ حضور ﷺ کسی سے مشورہ طلب کرنے کے محتاج نہیں ہیں۔

6۔ حضور ﷺ کا مشورہ طلب کرنا بالخصوص تعلیم صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بالعموم جمیع امت کی تعلیم و تربیت کے لیے ہے۔

---

[13] سورۃ آل عمران ۳:۱۵۹

Sourat Al e Imran3:159

[14] اسلام اور خلافت مشمولہ البلاغ، ص: ۱۶

Islam aur Khilafat mashmola Albalagh,P;16

[15] سورۃ احزاب ۳۳:۲۱

Sourat Alahzab 33:21

[16] دیکھیے: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ۔ (سورۃ النجم ۴/۵۳) اور وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے مگر وہی جو ان کو وحی کی جاتی ہے۔

بلند مرتبے والا بھی طلبِ مشورہ کرے۔ حضور نبی کریم ﷺ پر جن امور کے متعلق وحی کا نزول ہو جایا کرتا تھا ان امور کے بارے میں اللہ کے حبیب ﷺ صحابہ کرام ﷺ سے مشورہ طلب نہ فرمایا کرتے تھے۔اور جن امور کے متعلق وحی کا نزول نہ ہوتا ان امور کی انجام دہی کے لیے آپ ﷺ ان صحابہ کرام سے مشورہ طلب فرماتے تھے جو ان معاملات میں ماہر ہوا کرتا تھا یہی صحابہ اصحاب رائے کہلاتے تھے۔ جیسے

1۔ جیسے کہ غزوہ بدر کے موقع پر لشکرِ اسلامی کے پڑاؤ کرنے مسئلہ پر ان صحابہ کرام کے مشورہ پر عمل کیا گیا جو جنگی حکمتِ عملی سے پوری طرح واقف تھے۔اور ان ہی کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے پانی کے چشمے پر پڑاؤ کیا گیا۔[17]

2۔ غزوہ بدر کے قیدیوں کے متعلق رائے اور مشورہ اہلِ رائے صحابہ سے ہی کیا گیا پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی تائید وحی کے ذریعے کر دی گئی تو پھر اسی پر عمل کی گیا۔[18]

ان دو امثلہ سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ اللہ کے محبوب ﷺ صحابہ نزول وحی کے زمانہ میں بھی مشورہ طلب فرمایا کرتے تھے جب تک کہ وحی کا نزول ہو جاتا تھا۔

مشورہ میں عملِ صحابہ

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی رسولِ خدا ﷺ کے طریقہ مبارکہ کی پیروی کرتے ہوئے ہر اہم امور میں مشورہ پر عمل کیا۔ جیسے:

1۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں مشورہ اصحاب رائے ، مجلسِ شوریٰ سے طلب فرمایا کرتے تھے۔مانعینِ زکوۃ کے خلاف جنگ کے لیے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مشورہ ضرور لیا لیکن اپنے رائے پر عمل کیا باوجود اس کے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے اختلاف فرماتے رہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھول دیا اور آپ کی رائے بھی حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق ہو گئی۔

---

[17] گوہر رحمٰن، مولانا، اسلامی سیاست (المنار بک سنٹر، لاہور، مارچ، ۱۹۸۲ء)، ص: ۲۷۸

Ghohar Rehman, Molana: Islami Siyasat(Almanar Book Centre, Lahore, March,1982) P;278

[18] محمد بن عیسی ابو عیسی الترمذی، الجامع الصحیح سنن الترمذی کتاب القرات، باب تفسیر القرآن (المکتبۃ العصریۃ، بیروت)، ۲۷۱/۵

Muhammad bin Eisa |Abu Eisa Altirmazi: Aljameh al Sahi Sunan altirmazi(Almaktaba alasria, Berute, Kitab alqiraha, bab Tafseer al Quran), 5/271

2۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں شام کے محاذ پر جو کہ اس وقت وبا کی زد میں تھا، دشمن کے خلاف فوج بھیجنے کے بارے میں اپنی رائے قائم کرنے کے باوجود اہل الرائے سے مشورہ طلب فرمایا اور آپ رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق سنتِ رسول ﷺ سے نص بھی مل گئے تو آپ رضی اللہ عنہ اسی کے موافق عمل کیا۔

فصلِ سوم: مجلسِ شوریٰ کے قیام میں مشکلات

سید صاحب اپنے دور کے سیاسی نظام سے سخت ناخوش ہیں۔ اسکی بڑی وجہ مسلمانوں کے سیاسی نظام میں مجلسِ شوریٰ کی عدمِ دستیابی ہے۔ جس کو کوئی مرتبہ و مقام مل جاتا ہے وہ اپنے آپ کو سب کچھ سمجھنے لگتا ہے اور ہر طرح کے مشورے سے اپنے آپ کو بے نیاز و فارغ جان کو من مانی کرتا ہے۔ جس کو اپنے دل کی بڑھاس نکالنے کو جس قدر موقع میسر آتا ہے جی بھر کے بڑہاس نکالتا ہے۔ مشورے ضرور ہوتے ہیں البتہ اسلامی روح سے عاری ہوتے ہیں۔ گروہ بندی نے مشوروں کو رسم بنادیا ہے۔ مشورہ بھی اسی سے کیا جاتا ہے جو ہمنوا ہو، جو ہاں میں ہاں ملانے والا ہو وہ قریبی دوست بھی ہو سکتے ہیں، خونی رشتہ دار بھی ہو سکتے ہیں۔ جن سے کل کسی وقت کسی اچھے کی امید ہوتی ہے، اجتماع پر ذاتی فوائد و مقاصد کو ترجیح دی جاتی ہے۔ کبھی مال و دولت کے ذریعے تو کبھی ظلم و جبر سے رائے کو خریدا جاتا ہے۔ سید صاحب اپنے زمانہ میں مسلمانوں کی سیاسی پس ماندگی اور مجلسِ شوریٰ کی اہمیت کے عدمِ دستیابی پر رقمطراز ہیں:

"اس زمانے میں مجلسِ شوریٰ کے صحیح مفہوم کا مسلمانوں کو سمجھنا یا سمجھانا ایک دشوار امر ہو گیا ہے۔ آج کل کمیٹیاں ہوتی ہیں۔ اربابِ حل و عقد بیٹھتے ہیں، مگر مشورے جسے کہیے اس کا نام ہی نام ہے۔ فریق بندی، احباب نوازی، اشخاص پرستی سے کام لیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ کمیٹی نے یہ بات طے کی۔ رائے دہندوں کے دروں پر جاتے ہیں، ان کی رائیں قبل سے حاصل کی جاتی ہیں، کہیں بذریعہ طمع، کہیں بذریعہ تہدید، کہیں بواسطہ خوشامد و منت۔ اور اس طرح ایک آواز کے پیچھے بہت سے آوازیں ہو جاتی ہیں۔ لیکن اسلامی مشورہ ان تمام آلودگیوں سے ایسا ہی پاک و صاف ہے[19] جس طرح بالوں سے کفِ دست۔"[20]

---

[19] جس طرح انسانی ہاتھ کی ہتھیلیوں پر بالوں کا کوئی تصور و وجود نہیں ہے اسی طرح اسلامی مشورہ میں مذکورہ رزائل کا کوئی تصور و وجود نہیں ہے۔

[20] اسلام اور خلافت مشمولہ البلاغ، ص: ١٦

Islam aur Khilafat mashmola Albalagh:P;16

سید صاحب نے تین امور ایسے ذکر فرمائے ہیں کہ جن کے پائے جانے کے سبب سے مشورہ کی اہمیت معدوم ہو جاتی ہے۔ جب مشورہ کی اہمیت ان امورِ ثلاثہ کی وجہ سے معدوم ہو جائے تو لامحالہ مجلسِ شوریٰ کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔ اور اگر زبردستی بنا بھی دی سجائے تو فقط نام ہی کی ہوتی ہے کہ امورِ ثلاثہ غالب آ جاتے ہیں۔ وہ امورِ ثلاثہ کسی موجودگی میں مجلسِ شوریٰ کالمعدوم ہو جاتی ہے، درج ذیل ہیں:

1۔ فریق بندی

2۔ احباب نوازی

3۔ اشخاص پرستی

یہ امورِ ثلاثہ وہ آلودگیاں ہیں جن کا اسلامی مشورہ سے دور کا بھی واسطہ و تعلق نہیں ہے۔اسلامی مشورہ حکمت و دانش سکھاتا ہے، جب کہ مذکورہ امور حکمت و دانش کے قاتل ہیں۔اسلامی مشورہ میں خیر و برکت ہے جبکہ ان امور میں بے برکتی اور نحوست ہے۔ اسلامی مشورہ محبت و الفت سکھاتا اور امت کو امتِ واحدہ کا درس دیتا ہے اور سب کو ایک لڑی میں پرو کر منظّم و مربوط کرتا ہے جبکہ ان امورِ ثلاثہ کے پائے جانے سے ، نفرت و حقارت، تفرقہ سے بدصورتی پیدا ہوتی ہے جس کا اسلام میں کوئی وجود نہیں ہے۔

1۔ فریق بندی

قرآن کریم نے گروہ بندی کی حوصلہ شکنی فرمائی ہے اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم فرمایا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

1وَاعتَصِموا بِحَبلِ اللَّهِ جَميعًا وَلا تَفَرَّقوا وَاذكُروا نِعمَتَ اللَّهِ عَلَيكُم إِذ كُنتُم أَعداءً فَأَلَّفَ بَينَ قُلوبِكُم فَأَصبَحتُم بِنِعمَتِهِ إِخوانًا وَكُنتُم عَلىٰ شَفا حُفرَةٍ مِنَ النّارِ فَأَنقَذَكُم مِنها ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُم آياتِهِ لَعَلَّكُم تَهتَدونَ[21]

اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جاؤ اور اللہ کی نعمت کو یاد کرو جو تم پر کی جب کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمھارے دلوں میں محبت ڈالی اور تم اللہ کی مہربانی سے ایک دوسرے کے بھائی

---

[21] سورۃ آل عمران ۳: ۱۰۳

Sourat Aal e Imran3:103

بن گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے اس نے تمھیں اس بچایا اور اللہ اسی طرح اپنی آیات کو تمہارے لیے بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

قرآنِ کریم نے اس آیتِ مبارکہ میں واضح طور پر نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے گروہ بندی بنانے کو اللہ کی نعمتوں کی قدر دانی سے انحراف قرار دیا ہے۔ جب ہم اسلام کے دائرہ میں آ گئے تو ہر قسم کے اختلاف اور ذاتی خواہش کی تسکین کے لیے دوسرے مسلمان بھائیوں سے اختلاف دولتِ اسلام کی ناقدری ہے۔ اگر تو اختلاف اللہ کے احکامات کی تکمیل کے لیے ہو تو یہ مقصودِ شریعت ہے۔

قرآنِ کریم نے مسلمانوں میں گروہ بندی کو کافروں کی روش قرار دیا ہے جو کسی بھی صاحبِ ایمان و ایقان کے شایانِ شان نہیں ہے۔ ارشاد فرمایا:

2وَلا تَكونوا كَالَّذينَ تَفَرَّقوا وَاختَلَفوا مِن بَعدِ ما جاءَهُمُ البَيِّناتُ ۚ وَأُولٰئِكَ لَهُم عَذابٌ عَظيمٌ[22]

اور ان کی طرح نہ ہو جاؤ جو بکھر گئے اور واضح نشانیاں آنے کے بعد بھی اختلاف کرنے لگے اور ان ہی کے لیے عذابِ عظیم ہے۔

2۔احباب نوازی

اسلامی سیاسی نظام میں مناصب کی تفویض اقرباء پروری اور احباب نوازی کی آلودگیوں سے پاک ہے۔ جو جس منصب کے اہل ہے اسی کو وہ منصب تفویض کیا جائے۔ احباب نوازی سے ایک تو اہلِ حق کا حق سلب ہو گا جو عند اللہ مسئول ہے۔ اور احباب نوازی میں ایک لازمی عنصر مناصب کا خود طلب کرنا ہے جب کہ اسلامی سیاسی نظام میں از خود مناصب کا طالب ہونا مذموم ہے۔ نبی مکرم ﷺ سے عہدہ طلب کیا گیا تو آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرما کر انکار فرما دیا کہ:

1) "إناواللّٰه لانولی علٰی هذاالعمل أحدًاسأل هوَلاأحدًاحرص علیه "[23]

---

[22]سورۃ آلِ عمران ۳: ۱۰۵

Sourat Aal e Imran3:105

[23]ابو الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری النیسابوری، صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب النھی عن طلب الامارۃ والحرص علیھا (دار الجیل بیروت + دار الآفاق الجدیدۃ-بیروت)، ٦/٦

Abu al Hassan Muslim bin alHajaj alqusheri alnisaburi: Sahi Muslim, Kitab alamarat, bab alneh antalab alamarat walhirs aleha(Daraljeel Beirut),6/6

اللہ کی قسم ہم حکومتی عہدہ اس کو نہ دیں گے جو اس عہدے کا حریص ہو

جو مناصب کے خود طالب ہوں ان میں لیاقت مفقود ہوتی ہے اور جب لیاقت مفقود ہو افتراق و انتشار ہو گا۔ قوم کی رائے ان کی مرضی کے بغیر لی جاتی ہے اور اس مقصد کے لیے رائے دہندگان کے گھروں کے چکر لگائے جاتے ہیں۔ اپنی نالائقی کو تین طریوں سے چھپا کر اپنا ہمنوا بنایا جاتا ہے:

1۔ بذریعہ طمع

2۔ بذریعہ تہدید

3۔ بواسطہ خوشامد و منت

حدیثِ رسول ﷺ میں رشوت لینے اور دینے والوں کو جہنمی قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

2) عَنْ عَبْدِاللَّهِ بْنِ عَمْرٍو ،قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ[24]

حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے رشوت لینے اور دینے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔

اور ایک روایت میں دونوں کو جہنمی فرمایا گیا

3) عن عبدالله بن عمروقال قال النبي صلى الله عليه وسلم الراشي والمرتشي في النار[25]

4) حضرت عبد اللہ بن عمرو فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: رشوت لینے اور دینے والے دونوں دوزخی ہیں۔

قیوم نظامی مسلمان ممالک میں خوشامد اور شخصیت پرستی کے کلچر کو بیان کرتے ہیں:

"مسلمان ممالک میں قرآن سے دوری کی بناء پر مختلف نوعیت کے گھمبیر مسائل پیدا ہوئے ہیں۔ ان میں شخصیت پرستی اور خوشامد کلچر بھی شامل ہے۔ برصغیر کے مسلمان طویل عرصہ بادشاہت اور کلونیل سامراجیت کے زیر اثر رہے ہیں لہٰذا ان میں غلامانہ اور خوشامدانہ خصوصیات پیدا ہونا قابل فہم ہے۔"[26]

---

[24] ابن ماجۃ ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزوینی، سنن ابن ماجہ (مکتبۃ ابی المعاطی) ، ۴۱۰/۳

Ibn e Majaa Abu Abdullah Muahammad bin Yazid Alqizvini(Maktaba Abu al Ma'ali , Kitab alahkam),3/410

[25] ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المعجم الأوسط (دار الحرمین-القاہرۃ، ۱۴۱۵ء)، 296/2

Abu al Qasim suleman bin Ahmed Al Tabrani: Almojam alawsat(Dar alHarmen-Alqahera, 1415),2/296

3۔اشخاص پرستی

شخصیت پرستی، مشورہ کی اہمیت کو ختم کر دیتا ہے۔اسلام میں شخصیت پرستی کی جگہ اہلیت و قابلیت پر زور دیا گیا ہے۔ اور یہ دیکھا جائے گا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کون کتنی کرتا ہے۔ اور اولی الامر کی اطاعت ہم پر اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری کی وجہ لازم ہے، دیکھیے قرآن اس عقدہ کو حل فرماتا ہے:

5) يا أَيُّهَا الَّذينَ آمَنوا أَطيعُوا اللَّهَ وَأَطيعُوا الرَّسولَ وَأُولِي الأَمرِ مِنكُم فَإِن تَنازَعتُم في شَيءٍ فَرُدّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسولِ إِن كُنتُم تُؤمِنونَ بِاللَّهِ وَاليَومِ الآخِرِ ذٰلِكَ خَيرٌ وَأَحسَنُ تَأويلًا[27]

اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اولی الامر پھر کسی معاملہ میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی بارگاہ میں پیش کر دو اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، یہی تمہارے لیے بہتر اور اچھا ہے۔

البتہ آج کے دور میں اہل شوریٰ کا طریقہ کار حالات و واقعات پر موقوف ہوگا یعنی حالات و زمانہ کی رعایت کرتے ہوئے مختلف اوقات میں مختلف طریقہ ہائے کار کو عمل میں لایا جاسکتا ہے۔ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی لکھتے ہیں:

"معاملہ کی عمومی نوعیت کے پیشِ نظر اس بات کی پوری پوری گنجائش ہے کہ شوریٰ کے سلسلہ میں مختلف نظام اختیار کیے جا سکیں۔ کیوں کہ اسلام نے بس عمومی اصول بیان کرنے پر اکتفاء کیا ہے، اس کے طریقوں اور اس کی ہیئت کے سلسلہ میں کوئی تحدید نہیں کی ہے۔"[28]

حکمران طبقہ اور عوام دونوں کو چاہیے کہ اسلام کے شوارائی نظام کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اس کی طرف قدم اٹھائیں اگرچہ اب اسلامی ممالک میں بھی اسلام کے شورائی نظام کی حقیقی صورت نظر نہیں آتی، پھر بھی عوام و حکمران دونوں طبقات کو اس کی اہمیت کو جاننا اور اس کی طرف قدم بڑھانا وقت کا تقاضا ہےاور یہ انقلاب اس طرح ممکن ہے کہ " اگر

---

[26] قیوم نظامی: شخصیت پرستی وخوشامد کا کلچر، منظر نامہ، روزنامہ نوائے وقت، ۲۱ اکتوبر، ۲۰۱۷ء

Qayoom Nizami: Shakhsiat Parasti wa Khushamad ka Kalchar, Manzar Nama, Roznama Nawa e Waqt, Oct.21, 2017
https://www.nawaiwaqt.com.pk/21-Oct-2017/683245

[27] سورۃالنساء ۴: ۵۹

Sourat Al Nisa 4:59

[28] نجات اللہ صدیقی، ڈاکٹر، اسلام میں عدلِ اجتماعی (اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، بار سوم مارچ ۱۹۷۱ء)، ص: ۲۶۱

Najatullah Siddiqi, Doctor: Islam man Adl e Ijtema'e (Islamic Publication, Lahore, Bar e som March 1971), P:261

حکمران طبقہ اور قوم شوریٰ کو حکم مان لیں تو شوروی انقلابات کا دروازہ کھل جائیگا۔ شاہی کی جگہ امامت اور بادشاہ کی جگہ امام، موروثی حق کی جگہ انتخاب کو حاصل ہو جائیگی"[29]

نتیجہ بحث

1. اسلامی سیاسی نظام میں پہلا اصول فکر سلیمان اشرف کی روشنی میں مشاورت ہے۔
2. مشاورت اصحابِ مشورہ ہی سے لی جائے گی۔ اسلامی سیاست میں عوامی مشورہ کی کوئی خاص حیثیت نہیں ہے۔
3. عوام سے ظلم کو دور کرنے اور عدل کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے شورائی نظام کو اختیار کیا جائے واجب شکایتوں کا ازالہ کیا جائے اور غیر واجب پر فہمائش ہو۔
4. مشورہ کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے اللہ کے نبی ﷺ نے زمانہ وحی میں بھی بعض اہم سیاسی امور میں اصحابِ مشورہ سے مشورہ طلب فرمایا۔ خود صحابہ کبار نے اپنے اپنے ادوار میں مشاورت کو اختیار فرمایا۔
5. سید سلیمان اشرف کے نزدیک وہ تین امور جن کی موجودگی میں مجلسِ شوریٰ کالمعدوم ہو جاتی ہے، درج ذیل ہیں:
   1۔ فریق بندی
   2۔ احباب نوازی
   3۔ اشخاص پرستی
6. فی زمانہ اسلامی سیاست کی معدومیت کی بڑی ایک وجہ مجلس شوریٰ کا معدوم ہونا یا قیام میں مشکلات کا دامن گیر ہونا ہے۔

سفارشات

1. پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری کی سیاسی افکار کو اسلامی سیاست کے نصاب کا حصہ بنایا جائے۔
2. سید سلیمان اشرف کی سیاسی افکار سے مستفید ہونے کے لیے ان کی کتب و مقالات کو ازِ سر نو تعیقات و حواشی کے مدون کرکے منظّمِ عام پر لایا جائے۔

---

[29] حامد الانصاری، غازی، مولانا، اسلام کا نظام حکومت (مکتبۃ الحسن، قلعہ گجر سنگھ، لاہور)، ص: ۴۵۳

Hamid alansari, Ghazi, Molana: Islam ka Nizam e Hakomat(Maktaba alHassan, Qila Gujar Singh Lahore), P:453

3. فی زمانہ مجلسِ شورائی کے اہمیت کے پیشِ نظر جن مشکلات کا سید سلیمان اشرف نے ذکر کیا ہے ان کی مضرت کو سمجھ کر، مشکلات سے دور رہنے اور مجلسِ شوریٰ کے قیام کی کوشش فکرِ سلیمان اشرف کی روشنی میں کی جائے تا کہ پھر سے شورائی نظام کو تقویت و اہمیت حاصل ہو سکے۔

مصادر و مراجع

1.Ahmed bin Hambal Al Shebani: Almusnad ,Moassisa Risala Beirut ;2000
2.Al Sheikh Abdul Khei Alkattani: Nizam ul Hukoma Alnabvia Almusamma Altrateeb aldiraya,Dar alkutob-alarabi, Beirut
3.Shams ud Din Abubakr Muhammad bin Abi Sahl Alsirakhsi; Almabsut,Dar alfikr Littabaha wannashr wattozeh, Beirut, Lebnon, Altaba alula,1421-2000
4.Feroz ud Din, Molvi, Feroz ul Lughat, Feroz Sons, Lahore
5.Ibn e Asakir, Imam Ali bin Hassan; Tareekh Madina Damashq, Dar ul Fikr, Beirut
6.Muhammad bin Ismael, Albukhari: Sahi Bukhari, Kitab ul wasaya, Alwaqf keifa uktabu, Dar ul shoab-Alqahera, altaba alula, 1407-1987
7.Ghohar Rehman, Molana: Islami Siyasat, Almanar Book Centre, Lahore, March,1982
8.Muhammad bin Eisa |Abu Eisa Altirmazi: Aljameh al Sahi Sunan altirmazi, Almaktaba alasria, Berute, Kitab alqiraha, bab Tafseer al Quran
9.Abu al Hassan Muslim bin alHajaj alqusheri alnisaburi: Sahi Muslim, Kitab alamarat, bab alneh antalab alamarat walhirs aleha,Daraljeel Beirut
10.Ibn e Majaa Abu Abdullah Muahammad bin Yazid Alqizvini,Maktaba Abu al Ma'ali , Kitab alahkam
11.Abu al Qasim suleman bin Ahmed Al Tabrani: Almojam al-Awsat,Dar alHarmen-Alqahera, 1415
12.Najatullah Siddiqi, Doctor: Islam man Adl e Ijtema'e ,Islamic Publication, Lahore, Bar e som March 1971